JAHAN-E-TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.3, 2024

محمود غزنوی سے بدلتے ہندوستانی رنگ و آہنگ "آخری معرکہ"

ڈاکٹر طارق بن عمر

انچارج شعبہ اردو،

اسسٹنٹ پروفیسر،

شعبہ اردو، جامعہ شاہ عبداللطیف، خیرپور۔

Abstract: *Naseem Hijazi's "The Last Battle (آخری معرکہ) is a story without which the history of India is incomplete. The novel is all about the success/victories of the great "Sultan Mehmood Ghaznavi" which has changed the whole Continent. Naseem Hijazi has written the changes in society which had look place at that time. He has mentioned different aspects of society which brought up. He has discussed norms, values and Culture as well civilization. He has portrayed the Cruelty Endurance and hopes with perfection. After passing decades you can feel the presence of that time.*

Keywords: Victories, Mehmood Ghaznavi, Emotions, Change, Consciousness.

تلخیص: نسیم حجازی کا یہ ناول "آخری معرکہ" ایک ایسی داستان ہے کہ جس کے بغیر ہندوستان کی تاریخ نامکمل ہے۔ یہ ناول سلطان محمود غزنوی کی اُن فتوحات کی کہانی ہے کہ جس نے اِس پورے خطے کو بدل کر رکھ دیا۔ نسیم حجازی تبدیل ہوتا ہوا معاشرہ بیان کرتے ہیں۔ اس ناول میں سماج کے لیے بے شمار زاویے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ نسیم حجازی نے رسم و رواج اور تہذیب و تمدن کا ذکر کیا۔ برداشت، ظلم اور حسرتوں کی کہانی کو فنی اعتبار سے مکمل اور جامع ناول کی صورت میں پیش کیا، جو اپنے اندر ایک مکمل خاص عہد بیان کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ: فتوحات، محمود غزنوی، جذبات، تبدیلی، شعور۔

ناول "آخری معرکہ" ایک ایسی داستان ہے، کہ جب ہندوستان کی تاریخ لکھی جائے تو محمود غزنوی کے بغیر یہ تاریخ نامکمل کہلائے گی۔ ایک ایسا معرکہ جس نے پورے ہندوستان کی تقدیر کو بدل کر رکھ دیا، نسیم حجازی ایک فن یہ بھی رکھتے تھے کہ آپ نے جب بھی کوئی ناول شروع کیا، تو وہ وجوہات ضرور بیان کیں، کہ جن کی بدولت اُس معاشرے میں اور ماحول میں جو تبدیلی رونما ہوتی اور جو فکری اور ذہنی تبدیلی عوام میں آتی، اُن حالات کو آپ ضرور بیان کرتے۔

> "قوموں کی حالت اُسی وقت بدل سکتی ہے، جب اُن کے افکار میں تبدیلی پیدا ہو، لوگوں کے سوچنے کا انداز بدلے، قوموں کے عروج و زوال کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں۔ سیاسی، جغرافیائی اور معاشی وغیرہ، لیکن یہ سب بیرونی مظاہر ہیں۔ یہ اسباب اُس وقت تک ظاہر نہیں ہو سکتے، جب تک فکر میں تبدیلیاں پیدا نہ ہو۔ ہر اہم فعل کی بنیاد فکر پر ہوتی ہے، اس لیے اگر ظاہری اسباب پیدا ہوتے رہیں، بیرونی عوامل اثر انداز ہوتے رہیں، لیکن فکر میں تبدیلی نہ آئے تو اُن اسباب کے صحیح نتائج پیدا نہیں ہوں گے۔ مثلاً کسی قوم میں انسانوں کا ایک طبقہ دوسرے طبقے پر ظلم کرتا رہے۔ استحصال کرتا رہے، لیکن مظلوم طبقے کو یہ یقین ہو جائے کہ اُس کی قسمت یہی ہے، جو نہیں بدل سکتی یا یہ کہ اُس کی مظلومی دیوتاؤں کی خوشی کا باعث ہے تو مظلوم طبقے کے اندازِ فکر میں تبدیلی نہیں آئے گی اور اس لیے استحصال جاری رہے گا۔"[۱]

ناول "آخری معرکہ کا" پہلا باب "نئے دور کے مشعل بردار" کے جو عنوان سے ہے، اپنے اندر اُن عناصر کو سمیٹے ہوئے ہے، کہ وہ ہندوستانی معاشرہ جو ہزاروں سال سے جمود کا شکار رہا۔ انسانوں پر مذہب کے نام پر جو استحصال کیا گیا۔ اُن کے اندر جو ایک نئی تبدیلی نظر آرہی تھی، اور وہ عوامل کار فرما محسوس ہو رہے تھے، جو اِس تغیرات کا باعث بن رہے تھے۔ انسانوں کی تقسیم کیا رنگ دکھاتی ہے، ہندوستان کی سرزمین سے اچھی مثال کہیں اور نہ مل سکے گی۔

"صدیوں سے ہندوستان پر جس فلسفہ حیات کی حکومت تھی، جو نظام انسانوں میں چھوت اور اچھوت کی تفریق کا باعث بنے، ہندو سماج جیسے مذہب قرار دے، منوں جی کے چیلوں نے جسے مذہب قرار دے دیا تھا۔ اُس کا مقصد ہی انسانوں کے درمیان مساوات کو قائم نہ رہنے دیا جائے، بلکہ برابر کا خیال ہی جڑ سے پھینک دیا جائے۔"[۲]

جب یہ ناول اپنے اختتام کی جانب بڑھتا ہے تو، اُس مقام تک آ پہنچتا ہے، جہاں پر محمود غزنوی اور ہندوستان کے راجوں کی مشترکہ افواج فتح و شکست کا کھیل کھیل رہی ہوتی ہے۔ وقت ہمیشہ اپنے اندر تغیرات رکھتا ہے، یہی فطرت ہے۔ وقت کا کوئی لمحہ بھی اچانک معاشی، سیاسی اور معاشرتی انقلاب کا باعث بن جاتا ہے، اخلاقی معیار اور مذہبی اقدار میں فاصلے اور فرق آجاتے ہیں۔ محمود غزنوی کی حقیقت پسندانہ فکری سوچ نے جب عملی شکل اختیاری کرنی شروع کی تو ہندوستان کا سماج جو بدھ مت کی فکری و نظریاتی پہلوؤں سے کسی حد تک سنبھل گیا تھا، گزرتے ہوئے وقت نے ہندوستان کے انسانوں کو اسی تذلیل میں ڈال دیا تھا، کہ جہاں سے اُنھوں نے سفر شروع کیا تھا۔ اچھوت پورے کرب کے ساتھ اپنی روح میں بے چینی محسوس کر رہا تھا، برہمنوں کی پرورش اِس احساس کے خون سے پل رہی تھی۔

جب ناول "نندنہ کا قیدی" تک پہنچتا ہے تو، نبیر نام کا ایک ہندو کردار سامنے آتا ہے۔ یہ کردار اُس وقت کے ہندوستانی سماج کی مکمل عکاسی کرتا ہے، بہادر اور ایک نڈر سپاہی جو اپنے وطن کی خاطر اپنی جان دینے سے ذرا بھی نہیں گھبراتا۔ اِس ناول میں ماحول اور کہانی کی مناسبت سے چھوٹے جزئیات پر بھی نظر رکھی گئی ہے۔ انسان کا تعلق دنیا کے کسی بھی خطے سے ہو، جذباتی ونفسیاتی طور پر وہ ایک انسان ہی ہے، جو جذبات اور فکری سوچ لے کر پروان چڑھتا ہے۔ اور ہمیشہ خود کو پُرسکون رکھنے کے لیے بعض اوقات ماضی کو تلاش کرتا ہے۔

نسیم حجازی نے کرداروں کی مدد سے نہ صرف کہانی کو آگے بڑھایا، بلکہ ہندوستان کی سرزمین میں پائے جانے والے توہمات ورسوم ورواج کے ساتھ ساتھ برہمنوں کی اجارہ داریاں جنھوں نے مذہب کے نام پر انسانوں کو تباہ وبرباد کیا، بعض اوقات بلیدان جیسے عمل کو بھی جائز قرار دیا۔ عورت کو ستّی جیسی رسم سے بھی گزارا انسانی فطرت کو نسیم حجازی سمجھتے تھے، اور اُن خواہشات کا بھی ادراک رکھتے تھے، جو کسی بھی فرد میں پرورش پا رہے ہوتے ہیں۔ شعور و آگہی کا علم جانتے تھے۔ جذبات واحساسات کی پرورش کس طرح قوم میں کیوں کر پرورش پاتی ہے، اور ظلم وستم سے بچانا جو صدیوں سے اِس کو سہہ رہی تھی۔

"تلاش کا جذبہ ہی تمام ترقیوں کی بنیاد ہے۔ خواہ وہ فرد کی ترقی کا معاملہ ہو یا قوم کی ترقی کا معاملہ، اور خواہ اس کا تعلق دنیا کی ترقیوں سے ہو یا آخرت کی ترقیوں سے۔ ہر ترقی انہی لوگوں کے لیے ہے جو اپنے اندر تلاش و جستجو کا کبھی نہ ختم ہونے والا جذبہ رکھتے ہوں۔ تلاش کا جذبہ یہ بتاتا ہے کہ آدمی کے اندر جمود نہیں پیدا ہوا ہے اور جمود تمام ترقیوں کا قاتل ہے۔ جہاں جمود آیا وہاں ترقی کا عمل بھی لازمی طور پر رُک جائے گا۔ جمود کی حالت طاری ہونے کے بعد "مزید" کے شوق سے محروم ہو جاتا ہے اور جس سے مزید کا شوق رُخصت ہو جائے وہ جہاں ہے وہاں بھی باقی نہیں رہے گا، بلکہ پیچھے جانا شروع ہو جائے گا، یہاں تک کہ بالکل آخری صف میں پہنچ جائے گا۔"[۳]

کسی بھی معاشرے کے فکری رویے سماجی، سیاسی اور معاشی تبدیلیوں کا باعث بنتے ہیں، تبدیل ہوتا ہوا معاشرہ نئی فکر اور نئی سوچ کو پروان چڑھاتا ہے، اس ناول کا ساتواں باب "نیا ساتھی" اِسی سوچ کو لے کر آیا ہے، یہ فکر اُس وقت ہندوستان میں پروان چڑھ رہی تھی۔

نسیم حجازی نے ناول "آخری معرکہ" میں تخیل کا بھی سہارا لیا، انسانی جذبے، معاشرے کو سمجھنا چاہتے تھے، انسانی ادراک، فکری رویے جب زندگی سے ہم آہنگ ہوتے ہیں تو، وہ حقیقت جنم لیتی ہے۔ جو سماج کی سماجی، سیاسی اور معاشرتی توازن کو اعتدال میں رکھتی ہے، ایک اچھے عمل کی آبیاری، کسی بھی قوم میں شعور کا باعث بنتی ہے۔ ہندوستان کی سرزمین جس ارتقاء کو جنم لے رہی تھی، وہ اِس نہج پر آچکا تھا کہ داخلی کیفیات، متضاد رویے تسلیم کر لیے جائیں، اور اُن عوامل پر غور کیا جائے جس نے نامحسوس طریقوں سے ایک پورے معاشرے کی ذہنی سطح کو مفلوج کر دیا۔ ہر عمل اپنے اندر ردِ عمل رکھتا ہے۔ جہاں انصاف اپنی راہ بنانے کی کوشش کرے گا، وہیں پر ظلم کا رنگ بھی سامنے آئے گا۔ انسانی مساوات کے عین سامنے عدم توازن جنم لینے کی کوشش کرتا ہے۔ جب فضا میں انسان برابر کی صدا بلند ہونا شروع ہو جائے تو انا پرستی کی لہر بھی جنم لیتی ہے۔ غرض ہر نئی فکر کا تضاد سامنے آتا ہے۔ ناول "آخری معرکہ" نہ صرف محمود غزنوی کی مہمات کو پیش کرتا ہے۔ بلکہ اُن فطری تبدیلیوں کے عمل کی بھی نشاندہی کرتا ہے، جو مکمل طور سے اخلاقی معیار، مذہبی اقدار اور سیاسی نظام کو ایک نئی طرزِ احساس عطا کرتا ہے۔ ایک انسان مختلف حالتوں میں جداگانہ فکر کا حامل ہوتا ہے۔ اور ایک انسان کے اندر مختلف اندیشے پرورش پاتے ہیں، نسیم حجازی کی نظر اِس پر بھی تھی، یہ ناول "آخری معرکہ" ایک ایسی تہذیب کی موت تھی، جو بنیادی طور پر دوسری تہذیب کی زندگی کا باعث بن رہی تھی۔

زندگی کے مقاصد کو سمجھنا اور احساس ذمہ داری کو محسوس کرنا، اُن مبلغین نے خوب نبھائی، جو اسلام کی دعوت لے کے وہاں تک گئے جہاں نااُمیدی اور مایوسی کا سایہ تھا۔ نسیم حجازی نے، اِس ناول میں اِس عمل وردِ عمل کی حقیقت کو بھی پیش کیا۔

"بعض ہندی نو مسلم قنوج کی بستیوں اور شہروں میں توحید کا پیغام لے کر پہنچ رہے تھے۔۔۔۔۔نا قابلِ اصلاح سرداروں کے خلاف عوام کی دادرسی کرتے تھے، اِس خطے کے لوگ صدیوں کے بعد یوں محسوس کرنے لگے کہ انصاف کے دروازے کُھل رہے ہیں۔۔۔۔۔۔
لیکن کچھ ہی عرصے بعد ردِ عمل ہونا شروع ہوا۔ اقتدار کی مسندوں پر قابض رہنے کے لیے سلطان کی اطاعت تو قبول کرلی، لیکن اب انہیں یہ محسوس ہونے لگا کہ نیا شعور ایک ایسی کھلی بغاوت ہے جو کسی بھی دن سماج کے دیوتاؤں کا مذاق اڑائیں گے۔ برہمن کی برتری اچھوت کی تذلیل میں تھی۔ سرداروں سے کہیں زیادہ راجپوت دور اندیش تھے، راجپوت، سرداروں کے پاس جاتے اور سمجھاتے کہ تمہارا اقتدار کے دن گنے جا چکے ہیں، تم نے الگ مذہب کو قبول کیا تو اِن اُونچے ایوانوں سے گرا کر اچھوت کے برابر کر دیئے جاؤ گے، وقت ابھی بھی ہے سنبھل جاؤ اور اپنے دھرم کے دشمنوں کو آگے بڑھنے کا موقع نہیں دو۔"[۴]

وہ انسان جو صدیوں سے بھٹک رہے تھے، جب اُن کو انفرادی آزادی محسوس ہوئی تو وہ ایک ایسی سچائی کی تلاش میں نکل گئے، جہاں تجسس، جذبات اور باطنی تغیرات نے انہیں کشمکش میں مبتلا کر دیا۔ بغاوت کی وہ چنگاری جو اُن کے سینوں میں پل رہی تھی، ایک اضطراب کی صورت میں ظاہر ہوئی، ہندوستان کی سرزمین روایت شکنی کی جانب مائل تھی، اِس ردِ عمل میں ماضی پرست اپنی پوری قوت سے اپنے ہونے کا احساس دلا رہے تھے۔

" گویا انسان کی فکر رسا اپنے اطراف میں پھیلی ہوئی اس بے کراں کائنات کے پس پُشت مخفی حقیقت کا کھوج نکالنے کے لیے ہمہ وقت مضطرب نظر آتی ہے، یہ اس کا محبوب مشغلہ ہے کہ وہ مبدائے کائنات اور اِس اصول محرکہ کا پتہ لگائے جو اِس عالم ظاہر کی روح رواں ہے، اور اِس کار خانۂ حیات میں غایت و مقاصد کے امکان پر غور کرئے کیوں کہ انہیں سوالات کے جوابات ڈھونڈ نکالنے میں دراصل انسانی کی اپنی ماہیت کا اسرار بھی پوشیدہ ہے اور تحقیق ذات کا عمل انسانی فطرت کا اساسی اقتضاد ہے جسے پورا ہونا چاہئے۔"[۵]

ناول "آخری معرکہ" کا چودھواں باب اِس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ نسیم حجازی جس نکتہ کو بیان کرنا چاہتے تھے، وہ انھوں نے اپنے کرداروں عبدالواحد اور گلاب چند کے ذریعے بیان کیئے۔

اُسلوب لفظ کو زندہ رکھتا ہے، اُنہیں ایک نئی طرزِ حیات عطا کرتا ہے۔ یہ بات بہ خوبی جانتے تھے، اِس ناول کے دو کردار عبدالواحد اور شکنتلا کے درمیان جو گفتگو ہوئی پڑھنے والا اِس میں گم ہو جاتا ہے۔ وہ سوالات جو صدیوں سے انسانی ذہن میں پرورش پا رہے تھے، نسیم حجازی نے اُسے اپنے کرداروں کی مدد سے ہمارے ذہنوں میں نقش کر دیا۔ جو روانی وسلاست اُن کے اُسلوب میں نظر آتی ہے، پڑھنے والا جان لیتا ہے کہ کہانی نہ صرف اپنے منطقی انجام کو پہنچے گی، بلکہ وہ عوامل بھی سامنے آئیں گے، جن کی بدولت یہ خطہ تغیرات کی زد میں آیا۔

جب یہ ناول پندرھویں باب تک پہنچتا ہے تو حالات وواقعات سومنات کے مندر میں لے جاتے ہیں۔ انسان اپنے اندر ایک ایسی تاریخ رکھتا ہے، جو اُسے مسلسل وہ اسباب مہیا کرتی ہے، جو اُس کے حوصلے اور ارادے کی بدولت وہ تاریخ کا رُخ موڑنے پر قادر ہے۔ کسی کا ذہن جو صدیوں سے صرف ایک ہی سوچ رکھتا ہو، اُسے تبدیل کرنا، آسان نہیں۔ ایک ایسی بے چینی جو کسی انسان کے اندر پائی جائے اُسے بے قرار رکھتی ہے۔ انسان کی سوچ اُسے ہر وقت عمل پر آمادہ رکھنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن ضروری نہیں ہوتا کہ وہی سب کچھ ہو جائے، جو اُس نے سوچ رکھا ہو، کسی کو ذہن میں رکھ کر اُسے اپنی زندگی کا حصہ بنالینا، اُن عوامل کو ظاہر کرتا ہے، جو اُس کے اندر پرورش پا رہے ہوتے ہیں۔

ناول "آخری معرکہ" کا چوبیسواں باب "ملتان سے آگے" کے عنوان پر ہے، اصل کہانی ناول کی یہاں سے شروع ہوتی ہے، پڑھنے والا یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ نسیم حجازی کو آخر کیا ضرورت تھی کہ وہ اتنے آگے آکر کہانی کے اصل موضوع کی طرف آتے، ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ آپ واقعہ کو بیان کرنے سے پہلے ماحول، تہذیب کو بیان کرنا ضروری سمجھتے تھے، تاکہ قاری واقعہ کی اصل روح تک پہنچ جائے، محمود غزنوی ۲۲ شعبان ۴۱۶ ھجری کو غزنی سے جس معرکہ کے لیے نکلا، اُس نے تاریخ میں ایسے نقوش چھوڑے، کہ جس کے اثرات صدیاں گزر جائے کے بعد بھی قائم ہیں۔

عید کی نماز کے بعد سلطان محمود غزنوی اپنے سپاہیوں سے تقریر کرتے ہوئے کہتا ہے،

"۔۔۔۔۔میرے نزدیک ہندوستان کی سرزمین میں کفر اور اسلام کا یہ آخری معرکہ ہے۔ تم خوش نصیب ہو، قدرت نے تمہیں منتخب کیا ہے کہ تم باطل کا حصار توڑ دو۔ جنھیں شہادت کا شوق ہے، صرف وہ میری ضرورت ہے، سومنات پتھر کی مورتیوں کے سوا کچھ نہیں، یاد رکھنا، تمہارے خون سے ایک روشن تاریخ لکھی جائے گی، ایک لاکھ بھیڑوں کی ممیاہٹ ایک شیر کی گرج کا کبھی مقابلہ نہیں کر سکتی

۔۔۔۔۔ اگر تم خدا کی خوشنودی کے لیے آگے بڑھو گے تو تمہارا کوئی راستہ نہیں روک سکتا، یوں دنیا کی تمام نعمتیں و عظمتیں تمہارے قدموں میں ہوں گی۔"[۶]

اِس ناول میں نسیم حجازی نے ہندوؤں کی ایک رسم کا بھی حوالہ دیا ہے، جسے "ستی" کہا جاتا ہے، نسیم حجازی نے کہانی کو آگے بڑھانے کے لئے بعض اوقات کچھ تخیلاتی کردار بھی پیش کیے ہیں، جن کی مدد سے وہ نہ صرف کہانی آگے بڑھاتے ہیں، بلکہ کبھی ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے تجسس بھی پیدا کرتے جاتے ہیں۔ ناول کا چھبیس واں باب خود ناول کے نام پر "آخری معرکہ" پر رکھا گیا ہے، جب محمود غزنوی ۴ جنوری ۱۰۲۶ء کو سومنات کے سامنے پہنچتا ہے تو ایک علمی و فکری جذبات جنم لیتے ہیں۔ دو تہذیبوں کا تصادم، قربانیوں کی ایک لازوال داستان، جہاں جذبات واحساسات اپنے عروج پر تھے، ایک نظریہ ختم ہو رہا تھا تو دوسرا جنم لینے کو بیتاب تھا، محمود غزنوی کا ایک ایسا تاریخی جملہ کہ جس نے اُسے امر بنا دیا۔

"سلطان کا چہرا غصے سے تمتما اُٹھا، اور اُس نے جواب دیا، میں بُت فروش نہیں، بُت شکن کہلانا چاہتا ہوں۔"[۷]

نسیم حجازی نے ناول "آخری معرکہ" کا اختتام کرتے ہوئے، اُن مقاصد کو سامنے رکھا ہے، کہ جس مقصد کو لے کر آپ نے یہ ناول شروع کیا تھا۔ ایک معاشرے کی تنزلی جو صدیوں سے اپنے اندر برائی کا محور بنا ہوا تھا۔ جو اِس بات کا یقین رکھتا تھا کہ جہاں ایک طرف ایک انسان افضل ہے تو دوسری طرف دوسرا انسان اچھوت، حقارت، نفرت اور جس کی ہر وقت تذلیل ہوتی رہے۔ افضل انسان کے عشرت کدے، اُن ہڈیوں پر تعمیر ہوں، جو اچھوت کہلاتے ہیں۔ دوسری جانب ایک ایسی تہذیب نے اِسے شکست دی جو اِن تمام تفرقات کے خلاف تھی، جس کے نزدیک انسان کی پہچان صرف اُس کے اعمال تھے۔ اِس ناول میں محمود غزنوی کا کردار اسلام کے ایک ایسے سچے سپاہی کے طور پر سامنے آیا، جو نہ صرف اپنے اندر اعتماد رکھتا ہے، بلکہ نڈر، بے خوف اور اپنی عظمت کو منوانے والا۔ ایک ایسے دبدبے کی شخصیت جو رعب و جلال اپنے اندر سمائے ہوئے ہو۔

"محمود غزنوی ایک خفیف سی مُسکراہٹ لیے اپنے جانبازوں کو فتح کی بشارت دے رہا تھا۔ ایک سکون تھا چہرے پر دریا کا سا سکون، شور مچاتی ہوئی ندیاں۔۔۔۔۔ وہ کئی دریاؤں کی گہرائیوں۔۔۔۔۔ صحراؤں کی وسعتوں کے سامنے نا قابلِ تسخیر رہ چکا تھا۔ پچاس سال کی عمر میں بھی محمود غزنوی کا چہرہ چٹان کی طرح تھا، جس کی نگاہوں میں عقاب کی تیزی اور شیر کا جرءت موجود تھا۔"[۸]

ناول "آخری معرکہ" کے دوسرے اہم کردار نرمل، روپ وتی کے ہیں، بنیادی طور پر یہ دونوں کردار اِس ناول میں چھائے ہوئے ہیں، فرمانبرداری فرض، عشق و محبت اور قربانی یہ وہ اوصاف ہیں جو ہمیں ناول "آخری معرکہ" میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں، اِس ناول میں منظر نگاری کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، پڑھنے والا کچھ یوں محسوس کرتا ہے۔ جیسے وہ خود اُس واقعہ میں موجود ہو۔

"سومنات کے مندر کی لڑائی آخری نہج پر پہنچ چکی تھی، ہندوؤں کی افواج مورتیوں کے سامنے گڑ گڑا کر دعائیں کرتیں اور ایک نئے جوش ولولے سے مسلمانوں کے سامنے صف آراء ہو جاتیں، بیرونی عمارتوں، برآمدوں غرض ہر جانب لاشوں کے انبار لگے تھے۔ مسلمان کشادہ صحن میں داخل ہوتے ہوئے اُس جگہ پہنچے جہاں اُونچی حیثیت کے پجاریوں، داسیوں کے محلات تھے۔ اِس جگہ ہزاروں ہندو سر دھڑ کی بازی لگانے کے لیے کھڑے تھے۔ پے در پے مسلمانوں کے حملوں نے ہندوؤں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔۔۔۔۔ بتدریج مسلمان صحن پر قبضہ کرتے جا رہے تھے، ہزاروں آدمی ڈھیر ہوتے چلے گئے۔"[۹]

نسیم حجازی کا یہ ناول فنی و فکری اعتبار سے ایک جامع ناول ہے، اِس میں نہ صرف ماحول کی عکاسی بلکہ جغرافیائی عہد اور جذبات و احساسات کی خوب صورت انداز میں اُس پورے واقعہ کی تفصیلاً عکاسی کی گئی ہے، اِس کے علاوہ شعور کے ساتھ اُس عہد کو یوں بیان کیا ہے کہ ہم آج بھی کچھ سوالات کے جوابات تلاش کرتے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ آغا افتخار حسین، قوموں کی شکست وزوال کے اسباب کا مطالعہ، مجلس ترقی ادب، لاہور، س ن، ص ۲۱۶-۲۱۷۔
۲۔ نسیم حجازی، آخری معرکہ، جہانگیر بکس، کراچی، س ن، ص ۳۳۲۔
۳۔ مولانا وحید الدین خان، رازِ حیات، رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی، ستمبر ۲۰۱۹ء ص ۱۹۷۔
۴۔ نسیم حجازی، آخری معرکہ، جہانگیر بکس، کراچی، س ن، ص ۲۸۰-۲۸۱۔
۵۔ قاضی قیصر الاسلام، فلسفے کے بنیادی مسائل، نیشنل بُک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، اگست ۲۰۱۵ء، ص ۵۲۵۔
۶۔ نسیم حجازی، آخری معرکہ، جہانگیر بکس، کراچی، س ن، ص ۵۲۱-۵۲۲۔
۷۔ نسیم حجازی، آخری معرکہ، جہانگیر بکس، کراچی، س ن، ص ۵۷۷-۵۷۸۔
۸۔ نسیم حجازی، آخری معرکہ، جہانگیر بکس، کراچی، س ن، ص ۲۰۴۔
۹۔ نسیم حجازی، آخری معرکہ، جہانگیر بکس، کراچی، س ن، ص ۵۷۱۔